OPEN ACCESS
Al-Muaz
ISSN (Online): 3006-0338
ISSN (Print): 3006-032X
https://almuaz.com

معروف صوفی خواتین اور ان کی مذہبی خدمات: عہدِ سلاطینِ دہلی کا مطالعہ

Religious Services of Famous Sufi Women: A Study of Delhi Sultanate

Attiya Saifullah
Doctoral candidate Islamic Studies University of Gujrat
Dr. Abu Sufyan Qazi Furqan Ahmed
Assistant Professor of Islamic Studies University of Gujrat

Abstract

This article studies the famous Sufi Women of Delhi Sultanate and their Religious Services. It explores that with the advent of Islam in the subcontinent, many Sufis came here and spread Islam with their teachings. Their teachings were not only limited to men, but women were also able to receive their education and religious training. It was said that countless women of the subcontinent achieved perfection in the religion of Islam and played an important role in the society. He explained the purpose of Islam and taught them to live their whole life according to the Islamic teachings. Because of this education and training, the women also trained their children religiously. *Bibi Zulikha, Bibi Auliya, Bibi Rasti, Bibi Khadija* and *Bibi Fatima* are among such famous religious women. These are the women who, in good bad situation, kept themselves and their families limited to the teachings of Islam. Among them there are some women who were given spiritual strength due to their piety and devotion. This article highlights the services of these spiritual or Sufi women.

Keywords: Subcontinent, Delhi sultan, Sufi women, services

پس منظر

محمد بن قاسم نے سندھ کا علاقہ جو کہ ملتان تک پھیلا تھا فتح کر کے یہاں اسلام کا چراغ روشن کیا اس چراغ کو روشن رکھنے کے لئے یکے بعد دیگرے ایسی شخصیات آتی رہیں جن کی بدولت سارے ملک میں اسلام کی کرنیں پھیل گئیں۔ محمد بن قاسم کے لگائے ہوئے اس پودے کی آبیاری کے لئے مختلف خاندانوں کے سلاطین 1206ء سے 1526ء تک دہلی کے تخت پر متمکن ہوتے

CC BY

رہے انہی سلاطین دہلی کے فروغ تعلیم کے منصوبوں اور خواہشات نے دینی و دنیاوی تعلیم کو رونج کیا اور بے شمار علماء و فضلاء بیرونی ممالک سے ہندوستان میں آکر درس و تدریس کا کام کرتے رہے اور روحانی تعلیمات سے لوگوں کے دلوں کو روشن کرتے رہے۔ان بزرگان دین کے مقاصد بنیادی طور پر بے لوث اور انسانی خدمت سے سرشار تھے اس وجہ سے لوگوں نے ان ہستیوں کو عزت و احترام سے اور ان کی عقیدت کی مہک سے خود کو معطر کیا جب ہم ان صوفیائے کرام کی ہندوستان میں آمد کا پڑھتے ہیں تو ہمیں کئی روحانی شخصیات کے متعلق معلوم ہوتا ہے ان میں خواجہ معین الدین چشتی، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی ،خواجہ بابا فرید شکر گنج، مخدوم علاؤالدین صابر اور حضرت نظام الدین اولیاء شامل ہیں۔

ہندوستانی تاریخ کے عہد سلاطین کا بغور مطالعہ کریں تو خواتین بھی مردوں سے کسی معاملے میں کمتر نظر نہیں آتیں۔بلکہ خواتین دینی اور دنیاوی معاملات میں مردوں کے ساتھ شانہ بشانہ نظر آئی ہیں۔ہندوستانی معاشرے میں خواتین کی حیثیت کو دیکھا جائے تو یہ اسلام کا کرشمہ ہے کہ جس نے عورت کی نہ صرف معاشرتی حیثیت کو بڑھایا بلکہ ہر دور میں اس کو عزت و احترام سے نوازا۔ آٹھویں صدی عیسوی کے بعد سے اسلامی جمہوریہ میں بدلاؤ آنے کے بعد مسلمان خواتین اپنے حقوق و مراعات سے محروم ہونا شروع ہو گئیں۔لہٰذا ہندوستان میں دہلی سلطنت کی بنیاد رکھنے سے بہت پہلے ہی ایران اور وسطی ایشیائی ممالک میں مسلم معاشرہ ایک متشدد معاشرے کی شکل اختیار کر چکا تھا مسلمان عورتیں اسی طرح کام کرتی تھیں جیسے کسی اور غیر مسلم معاشرے میں کرتی ہوں۔اسلام نے قرآنی اصولوں کے مطابق خواتین کے ساتھ مختلف رویہ اپنایا اور تمام جائز حقوق دیئے۔

ہندوستان کے عہد سلاطین میں خواتین نے صوفیوں کی حیثیت سے اور سرکردہ صوفیاء کی ماؤں کی حیثیت سے اہم کردار ادا کیا۔ان خواتین میں بی بی زلیخا، بی بی اولیاء، بی بی معصومہ، بی بی شریفہ، بی بی سارہ، بی بی راستی، بی بی فاطمہ، بی بی رانی وغیرہ شامل ہیں۔ جنھوں نے روحانی صلاحیتوں کو ترقی بخشی اور وہ معجزاتی کام سرانجام دے سکتی تھیں۔

تیرھویں صدی عیسوی ہندوستانی مسلم مذہبی فکر کی تاریخ میں بہت اہم ہے۔یہ وہی صدی ہے جس نے ہندوستان میں چشتی اور سہروردی کے مشہور صوفیانہ سلسلہ کو جنم دیا ان کے صوفیانہ احکام ہندوستانی مسلمانوں کے لئے روشنی کا کام کرتے ہیں۔ان احکامات کی نامور شخصیات نے اپنے نظریات کے ذریعے عملی طور پر ایک زندہ شکل میں نظریہ اسلام کو پیش کیا۔ان بزرگ اولیاء نے وحدت الوجود کے تصور، مرد و خواتین کی مساوات، محبت کو ایک آفاقی قدر کے طور پر پیش کیا۔اپنے نیک کردار اور اعلیٰ نظریات کے ذریعے انہوں نے ہندوستانی زندگی میں ایک انقلاب برپا کیا۔ جس کی وجہ سے لاکھوں غیر مسلموں نے اسلام قبول کیا۔ اسلام میں تصوف کی نشو و نما کے ساتھ ہی خواتین کو بھی ایک اعلیٰ مقام حاصل کرنے کا موقع ملا۔ تصوف کی تاریخ میں رابعہ بنت اسماعیل العروضہ عراقی قصبے بصرہ سے(م 869ء) میں پہلی خاتون تھیں جنہیں باضابطہ طور پر صوفی کہا جاتا تھا۔[1] غربت میں پیدا ہونے والی، والدین کی وفات کے بعد رابعہ کو بچپن میں غلامی میں بیچ دیا گیا۔ جسے گلی کے ایک شخص نے پکڑ لیا اور اسے چھ درہم میں بیچ دیا گیا اس کے بے حد شدید خوشگوار تجربات نے اسے اسلامی دنیا میں سب سے نامور صوفی بنا دیا۔رابعہ نماز روزے کی پابندی کرتی تھی اس نے دعاؤں کے ذریعے ایک اعلیٰ روحانی مرتبہ حاصل کیا۔ مشہور صوفی حسن بصری، ملک دینار، سفیان ثوری اور شقیق بلخی جیسے اس کی روحانی صلاحیت سے بخوبی واقف تھے اور اسی وجہ سے وہ اکثر تنہائی میں رہتی تھی اور اسی طرح وہ تنہائی کی حالت میں بیابان میں چلی گئی۔

ہندوستانی تصوف کے فقہی مدرج میں اسے بالکل منفرد اور مخصوص انداز میں دیکھا گیا ہے۔رابعہ نے پہلی بار خدا کی محبت کو اپنی ذات کے لئے محبت کے نظریہ پر زور دیا۔اور جنت کی امید یا جہنم کے خوف سے خدا سے محبت کرنے کا خیال نہیں، اس فلسفیانہ رجحان نے اس کو مادیت پسندی کی دنیا سے منہ موڑنے کا اشارہ کیا۔ یہ رویہ جلد ہی تصوف کی پہچان بن گیا، رابعہ نے اسلام کی سب سے عظیم صوفیانہ دین کی روحانی حیثیت حاصل کر لی اور اس نے اسلامی تصوف کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔ رابعہ کے

ساتھ دیگر کئی خواتین نے مذہبی میدان میں اہم کردار ادا کیا۔ عہد سلاطین میں ملک کے ہر حصے میں ان صوفیانہ شخصیات کی خانقاہیں قائم ہو گئیں اور ہر خانقاہ اسلامی تبلیغ اور رہنمائی کا مرکز بن گئی۔ آج بھی لاکھوں مسلمان ان سے وابستہ ہیں ان شخصیات کی قبریں زیارت گاہوں میں تبدیل ہو گئیں ہر سال مسلمانوں اور غیر مسلموں کی بڑی تعداد ان مقامات کی زیارت کے لئے آتی ہے۔ ان صوفی شخصیات نے نہ صرف خواتین سے ہمدردی کی بلکہ انہیں مذہبی رہنمائی بھی فراہم کی۔ شیخ ناصر الدین چراغ دہلوی پہلے صوفی استاد تھے جنہوں نے خواتین کو اپنی شاگردی میں لیا۔[2]

معروف صوفی خواتین

عہد سلاطین میں خواتین صوفیاء کی حیثیت سے اور صوفیاء کی ماؤں کی حیثیت سے مذہبی زندگی میں بہت اہم کردار ادا کرتی رہیں، ان میں بی بی ذلیخاء، بی بی اولیاء، بی بی معصومہ، بی بی سارہ، بی بی راستی، بی بی جمال، بی بی فاطمہ، بی بی رانی، اور بی بی خدیجی وغیرہ شامل ہیں۔ شیخ نظام الدین اولیاء کہا کرتے تھے "جب شیر جنگل سے نکلتا ہے تو کوئی بھی اس کی صنف کے بارے میں نہیں پوچھتا، اولاد آدم کو تقوی اور اطاعت اختیار کرنی چاہئے خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔"[3] مذہبی زندگی کا مطالعہ کریں تو بہت سی ایسی خواتین کا ذکر ملتا ہے جو اپنے تقویٰ اور اطاعت میں بہت اعلیٰ حیثیت رکھتی تھیں کچھ نے تو روحانی تعلیم بھی حاصل کر لی تھی۔

بی بی ذلیخہ

ایک خاتون جس نے اولیاء سادات کی سرزمین بدایوں میں جنم لیا۔ جس نے ایک خوش حال گھرانے سے زہد نیکی اور تقویٰ کی تربیت حاصل کی اور زہد و تقویٰ کے معیار پر وقت کے ولی، قاضی بدایوں سے آپ کا نکاح ہوا۔ بی بی ذلیخہ شیخ نظام الدین اولیاء کی والدہ تھیں، وہ اپنے تقویٰ اور مذہبی چال چلن کی وجہ سے بہت مشہور خاتون تھیں۔ انہوں نے شیخ صاحب کی دعاؤں کا سہارا لیا اور ہمیشہ خدا کی رحمت پر پورا بھروسہ رکھا۔ شیخ نابالغ ہی تھے جب ان کے والد محترم کا انتقال ہو گیا تو ان کی والدہ بی بی ذلیخاہ نے ہی ان کی پرورش کی والدہ ہی ان کی پہلی استاد تھیں اور انہوں نے ہی آپ میں الہامی محبت کی چنگاری بھڑکا دی۔ شیخ صاحب سے اکثر لوگ مادی اور روحانی مسائل کے لئے کہا کرتے تھے۔ ایک دفعہ دہلی میں قحط پڑا تو ہر کوئی بارش کے لئے دل کھول کر دعا کرنے لگا لوگوں نے شیخ صاحب کو بھی دعا کے لئے کہا تو انہوں نے اپنی ماں کے پہنے ہوئے لباس سے سوت نکالا اور دعا کے دوران اپنے ہاتھ میں تھام لیا جس کے بعد تیز بارشیں ہونے لگیں۔ شیخ نظام الدین نے اپنی زندگی کے ابتدائی دن بہت غربت میں گزارے، اشیائے صرف کی قیمتیں معقول تھیں، شیخ کے پاس روز مرہ ضروریات کے لئے پیسے بھی نہیں تھے ان کے ساتھ ان کی والدہ اور بہن کو بھی ان حالات کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ انہوں نے فاقوں میں دن اور رات گزارے۔ ان آزمائشی لمحات نے اسے اس راستے سے پیچھے ہٹنے نہ دیا جو اس نے اپنے لئے منتخب کیا تھا، شیخ نظام الدین اولیاء ان کے بارے میں کہتے ہیں جب ان کے گھر کھانا نہیں ہوتا تھا تو وہ کہتی تھیں آج ہم اللہ کے مہمان ہیں تو لوگ ان کے گھر کھانا تحفے میں بھجوایا کرتے تھے۔ دنیا کی ہر چیز اللہ کے قبضہ قدرت میں ہے۔ یہ سن کر سید محمد دعا کرتے کہ اللہ انہیں روزانہ اپنا مہمان بنائے۔[4]

یہ تمام واقعات گویا بی بی ذلیخا کی روحانی حیثیت کو واضح کر رہے ہیں۔ جب بھی کسی پریشانی کا سامنا ہوتا یا کوئی خواہش ہوتی تو نماز کے بعد پانچ سو بار درود شریف پڑھتی اور اپنی مراد پاتی۔[5] شیخ نظام الدین والدہ کی وفات کے بعد باقاعدگی سے ان کی قبر مبارک پر تشریف لاتے اور سورہ فاتحہ پڑھ کر ان کی روح کی سلامتی کے لئے دعائے خیر کرتے، جب بھی کسی پریشانی میں مبتلا ہوتے تو والدہ کی قبر پر جا کر دعا کرتے اس سے ان کو راحت ملتی۔[6]

یہ وہ دور تھا جب ہندوستان پر ولی صفت سلطان شمس الدین التمش کی حکومت تھی۔ شادی کے بعد سید احمد بخاری کے ابتدائی سال بہت تنگی میں گزرے تھے۔ بحران کے وقت وہ ہمیشہ رحمت خداوندی کی طرف رجوع کرتے۔ بی بی ذلیخہ ایک قابل ذکر خاتون تھیں حالانکہ وہ منہ میں چاندی کا چمچہ لے کر پیدا ہوئیں تھیں جب حالات نے انہیں مشکلات کا سامنا کرنے پر مجبور کیا تو وہ

بڑے صبر کے ساتھ ساری مشکلات کو برداشت کرتی رہیں۔ غم کی تکلیف کی شکایت کرنے کی بجائے بہت متقی ہو گئیں اور خدا کی رضا کے مطابق زندگی گزاری۔ سید احمد اپنی بیوی سے کہتے کہ میں تمہیں وہ آسائش نہیں دے سکتا جس کی تم بچپن سے عادی ہو۔ مگر اس خاتون کا یہ جواب ہوتا کہ عورت کی آسائش صرف یہ ہے کہ اس کا شوہر اس سے راضی ہو جائے۔ اپنی بیوی کی یہ بات سن کر باغ باغ ہو جاتے کیونکہ وہ ان سے راضی تھے۔ بی بی ذلیخہ کو قطب مینار کے ایک میل دور ایک گاؤں میں دفن کیا گیا۔ ان کے یوم وفات پر سالانہ تقریبات کی جاتیں ہیں جیسا کہ ہر صوفی کی درگاہ پر کیا جاتا ہے فاتحہ کی تلاوت، قبروں کی دھلائی، موسیقی، تبرکات کی تقسیم رسمی تقاریب ہیں جو درگاہوں میں ادا کی جاتی ہیں۔[7]

بی بی اولیا

یہ عارفہ خاتون ساتویں صدی ہجری میں گزری ہیں، یہ سلطان محمد تغلق کا دور تھا۔ ان کا مسکن شہر دہلی تھا۔ سلطان بی بی اولیا کا بہت عقیدت مند تھا۔ بہت نرم مزاج، نرم دل، نہایت عابدہ اور زاہدہ خاتون تھیں، اکثر چالیس چالیس دن تک اپنے حجرے میں مصروف عبادت رہتی تھیں اور اس عرصے میں نہایت قلیل غذا پر گزاراہ کرتی تھیں۔ تمام صوفی حضرات ان کی بہت تکریم کرتے یہ اس کے تقویٰ اور خوبیوں کی وجہ سے تھا کہ وہ معاشرے کی ایک دل پسند نیک شخصیت بن گئیں۔ ان کی اولاد میں سے بعض نے آپ کی تربیت کے پیش نظر صوفی عقائد کے سیکھنے کو ترجیح دی ان میں سے سب سے اہم شیخ احمد تھے انہوں نے دنیاوی زندگی سے کنارہ کشی کی اور مستقل فاقوں میں رہ کر عبادت کی راہ اختیار کر لی۔[8]

بی بی قرسم معصومہ

ماں کی فضیلت و اہمیت ہمیشہ سے ہی بہت بلند و بالا رہی ہے ہر دور میں صوفیاء کرام نے بھی اپنی ماؤں کو بڑی عزت سے رکھا شیخ نظام الدین اولیا کا کہنا ہے کہ والدین اپنی دعاؤں سے اپنی اولاد کی تقدیر بدل سکتے ہیں۔ انہوں نے شیخ فرید الدین کی والدہ کے بارے میں کہا کہ بیٹا اپنی والدہ کیطرح بہت عبادت گزار تھا اس کی تربیت میں اپنی ماں کا اثر صاف دکھائی دیتا تھا جنہوں نے ایک پرہیز گار خاتون ہونے کے ناطے نہ صرف اپنی اولاد کو دینی تربیت دی بلکہ اس زمانے کے تمام لوگوں کی تعلیم و تربیت میں اہم کردار ادا کی جن کو وہ اپنی اولاد کی طرح سمجھتی تھیں۔ بی بی قرسم معصومہ کے بچے ابھی کم سن ہی تھے کہ ان کے شوہر نے وفات پائی۔ بی بی صاحبہ نے بڑی ہمت اور حوصلے سے کام لیا اور اپنے بچوں کی پرورش اور تربیت کا بڑا اہتمام کیا، شیخ فرید الدین مسعود ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کر چکے تھے والدہ نے مزید تعلیم کے لئے ملتان بھیج دیا، تعلیم سے فارغ ہو کر کھوتوال واپس آئے تو بی بی قرسم معصومہ بے حد خوش ہوئیں اور انہیں بہت دعائیں دیں۔[9] بی بی قرسم معصومہ اپنی فراخ دلی اور تقویٰ کی وجہ سے بہت ممتاز حیثیت رکھتی تھیں انہوں نے اپنی تمام تر توانایاں خدا کی عبادت میں صرف کیں، خدا سے محبت و عقیدت کا اندازہ ان کے اس واقعے سے لگایا جا سکتا ہے۔ وہ بہت پرہیز گار خاتون تھیں راتوں کو اٹھ اٹھ کر عبادت کرتی تھیں ایک رات وہ عبادت میں مشغول تھیں کہ ان کے گھر میں ایک چور آ گیا اور چوری کرنے لگا مگر چوری سے پہلے اس کی نظر نمازی عورت پر پڑ گئی وہ دیکھتا رہا کہ اس کی بینائی چلی گئی۔ اس چور نے شیخ کی والدہ سے اپنی بینائی کی بحالی کی دعا کرائی اور آئندہ اس برے فعل سے باز رہنے کا عزم کر لیا ان کی دعا سے نہ صرف اس کی بینائی واپس آئی بلکہ وہ اسلام قبول کرنے پر بھی آمادہ ہو گیا۔[10] بی بی قرسم کی شفقت و مہربانی نے اس کی زندگی میں یہ انقلاب برپا کیا۔ کچھ دنوں بعد ایک آدمی اپنی بیوی بچوں کے ساتھ آیا اور اس نے استفسار کرنے پر کہا کہ وہ اپنے کنبے کو لے کر آیا ہے کہ سب کے سب اسلام قبول کر لیں اور اچھی زندگی کے لئے ان کی برکات حاصل کریں، وہ اجنبی کوئی اور نہ تھا بلکہ وہی چور تھا جو اب اسلام کی برکات اور صوفیانہ شفقت کی بنا پر ایک اچھا انسان بن گیا تھا جس کی دینی تربیت کے بیج بابا فرید کی والدہ بی بی قرسم نے بوئے تھے۔[11] بابا فرید کی والدہ کی موت کے متعلق ایک حیرت انگیز بات ہے کہ جب بابا فرید اجودھن مین آباد ہوئے تو اس وقت ان کی والدہ دہلی میں آباد تھیں انہوں نے اپنے بھائی شیخ نجیب

الدین متوکل سے کہا کہ اپنی والدہ کو ساتھ لے کر اجودھن آجائیں، بھائی نے والدہ کو ساتھ لیا تو راستے میں جاتے ان کی والدہ نے پیاس محسوس کی شیخ نجیب الدین اپنی والدہ کے لئے پانی لینے چلے گئے اور والدہ کو صحرا میں ایک درخت کے نیچے چھوڑ گئے واپسی پر ان کو والدہ کا کوئی سراغ نہ ملا تو وہ بابا فرید کے پاس آئے بابا فرید نے والدہ کے لئے دعا کی اور والدہ کی روح کو تسکین کے لئے غریبوں میں کھانا تقسیم کیا۔[12]

بی بی شریفہ

بی بی شریفہ شیخ فرید الدین گنج شکر کی دوسری صاحبزادی تھیں، نہایت عابدہ اور زاہدہ تھیں۔ ان کی کوئی اولاد نہیں تھی مگر ساری زندگی خدا کی رضا پر راضی رہیں، وہ اپنی جوانی میں ہی بیوہ ہو گئی تھیں دوبارہ شادی نہیں کی اور خود کو مذہب کی خاطر وقف کر لیا۔ شیخ صاحب نے فرمایا کہ اگر عورت خلافت کی اہل ہوتی تو بی بی شریفہ اس کی مستحق تھیں کہ میں خلافت ان کو سونپ دیتا۔ اگر معاشرے کی باقی عورتیں بھی ان کی طرح ہوتیں تو عورت ذات ضرور مردوں پر فوقیت لے لیتی۔[13] بی بی صاحبہ نے اپنا تمام تر وقت عبادت الہی میں گزارہ اگر خواتین آپ ہی کے طریقے پر چلتیں تو بلاشبہ مردوں کے احترام کے ساتھ ساتھ عورت کی حیثیت میں بھی بہت زیادہ اضافہ ہو سکتا تھا۔[14]

بی بی سارہ

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی ہندوستان کے مشہور و معروف بزرگ گزرے ہیں اور ہر کوئی ان کا نام عقیدت و احترام سے لیتا ہے۔ آپ نے اپنی ساری زندگی دین کی خدمت کی خاطر وقف کر دی تھی۔ آپ بہت ملنسار اور خدا ترس انسان تھے۔ آپ نے ہر معاملہ میں دین کو مقدم رکھا اور دین کی خاطر بہت تکالیف برداشت کیں۔ آپ کثرت سے روزے رکھتے اور ذکر و اذکار سے آپ کی زبان تر رہتی تھی۔ آپ کے ہاتھ پر بہت سے ہندو مسلمان ہوئے اور بہت سے مسلمانوں سے آپ سے بیعت کر کے اپنی اصلاح کی۔ آپ کے دور میں ایک بزرگ عالمہ، فاضلہ تھیں۔ جن کا نام سارہ تھا۔ حضرت شیخ نظام الدین ابو المو ئد کی والدہ تھیں، نہایت پاک دامن اور باخدا خاتون تھیں۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی سے بہت عقیدت رکھتی تھیں، انہوں نے ان کو اپنی منہ بولی بہن بنایا تھا، وہ صرف عارفہ ہی نہیں بلکہ بڑی عالمہ فاضلہ خاتون تھیں۔ بی بی سارہ صرف تصوف کے میدان کی شہسوار نہ تھیں بلکہ علم کے سمندر میں بھی کافی گہرائی تک پہنچ چکی تھیں۔ اور علم فقہ میں بہت مہارت رکھتی تھیں۔ فقہ میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔[15] علم فقہ آپ کا پسندیدہ علم تھا اور اس علم سے آپ کو خاص لگاؤ تھا۔ آپ سے دینی مسائل میں کوئی کلام نہیں کر سکتا تھا۔ جب آپ درس دیتیں تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ فقہ کی تمام کتب آپ کے سامنے کھلی ہیں اور کوئی مجتہد فقہ کا درس دے رہا ہے۔ آپ کا درس بہت مقبول تھا اور آپ کے حلقہ درس میں ہر کوئی شرکت کرنے کی کوشش کرتا اور جو آپ کا عقیدت مند ہوتا وہ دوسروں پر فخر کرتا تھا۔ کیونکہ آپ کا عقیدت مند ہونا بھی شان کی بات تھی اور ایک خاص فضیلت تھی جو ہر کسی کو حاصل نہ ہوتی تھی۔ آپ اکثر رات کو عبادت اور ذکر و اذکار سے راتیں گزارتیں اور دن میں درس دیا کرتی تھیں۔ آپ کی وعظ و نصیحت سے بہت سی خواتین کو دین پر عمل کرنے میں آسانی ہوتی اور بہت سی خواتین درجہ عافیت کو پہنچ چکی تھیں۔ آپ کی سخاوت مشہور تھی اور آپ کی سخاوت کے دریا سے ہر کوئی پیاس بجھاتا تھا۔[16] ایک دفعہ خشک سالی کی وجہ سے دہلی میں قحط پڑ گیا اور غلہ اس قدر مہنگا ہو گیا کہ کسی غریب کے لئے اس کا خریدنا ممکن نہ تھا دہلی کے لوگ اکٹھے ہو کر شیخ نظام الدین ابو المو ئد کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے بارش کے لئے درخواست کی۔ شیخ منبر پر کھڑے ہوئے اور اپنی آستین سے ایک کپڑے کا ٹکڑا نکالا ایک تار اس میں سے جدا کیا اور پھر اس تار کو آسمان کی طرف کر کے کہا: " الہیٰ یہ تار اس بزرگ خاتون کے کپڑے کا ہے جس نے ساری عمر کسی نامحرم کی طرف نہیں دیکھا، اس کے طفیل اور بحرمت اس جزبہ عبودیت کے جو وہ تیرے ساتھ رکھتی تھی ہمیں باران رحمت سے نواز ورنہ میں جنگلوں میں زندگی بسر کروں گا اور پھر کسی آبادی میں قدم نہیں رکھوں گا۔"[17]

اللہ نے ان کی دعا کو شرف قبولیت بخشا، اسی وقت آسمان پر گہرے سیاہ بادل چھاگئے اور اس قدر بارش ہوئی کہ میدان اور جنگل پانی سے بھر گئے اور سیلاب کی سی کیفیت پیدا ہو گئی۔ لوگوں نے شیخ صاحب سے پوچھا کہ حضرت یہ کپڑا کس کا تھا اور کیسا تھا کہ جس کے تار کا واسطہ دے کر آپ نے اللہ سے دعا فرمائی؟ انہوں نے فرمایا" یہ کپڑا حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے دامن کا ہے جو انہوں نے میری والدہ کو عنایت فرمایا تھا وہ اس کو اپنے سر پر رکھ کر عبادت کیا کرتی تھیں۔ بی بی سارہ نے 638ھ میں وفات پائی ان کا مزار حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کے مزار کے متصل دہلی میں واقع ہے۔[18]

بی بی راستی

حضرت شیخ بہاوالدین زکریا ملتانی کے فرزند حضرت شیخ صدر الدین عارف کی اہلیہ اور حضرت شیخ ابو الفتح رکن عالم رکن الدین کی والدہ ماجدہ تھیں، ان کا شمار اپنے دور کی عارفات کاملہ میں ہوتا ہے۔ قرآن کریم کی حافظہ اور بے حد عبادت گزار تھیں۔ ان کا معمول تھا کہ ہر روز ایک بار قرآن پاک ختم کرتیں۔ حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا کے مریدان خاص میں تھیں اور ان سے غیر معمولی عقیدت رکھتی تھیں، اکثر ان کی خدمت میں حاضر ہو کر کسب فیض کرتی تھیں۔ آپ نے 695ھ میں وفات پائی مزار ملتان میں ہے۔[19]

بی بی فاطمہ سام

بی بی فاطمہ سام بابا فرید الدین مسعود گنج شکر کی ہم عصر تھیں۔ بہت عابدہ، زاہدہ اور مخیر خاتون تھیں۔ انہوں نے بابا صاحب کے چھوٹے بھائی نجیب الدین متوکل کو اپنا منہ بولا بھائی بنالیا تھا۔ صبر وہمت، استقامت کی نمایاں خوبیوں کی وجہ سے شیخ نجیب الدین متوکل نے ان کی صوفیانہ صلاحیتوں کو تسلیم کیا، انہوں نے کہا جیسے کسی جنگل میں شیر یا شیرنی کا ظہور ہر کسی کو خوف زدہ کرتا ہے اور دہشت کا ماحول پیدا کر دیتا ہے اسی طرح آپ کی شخصیت بھی رعب دار ہے جو مردوں عورتوں میں ممتاز کرتی ہے۔[20] جب کبھی انہیں معلوم ہوتا کہ شیخ نجیب الدین پر بھوک اور فاقے کا دور آن پڑا ہے تو وہ کھانے پکواتیں اور ان کے گھر تحفہ میں بھجوا دیتی۔ وہ خوشی سے ان تحفوں کو قبول فرماتے۔ ان کا کہنا تھا کہ بھوکے کو کھانا کھلانا اور پیاسوں کو پانی دینا سینکڑوں نمازوں سے زیادہ فضیلت مند ہے۔ وہ کئی کئی دن تک روزوں کا اہتمام کرتیں۔[21] بابا فرید الدین مسعود فرماتے ہیں کہ: فاطمہ سام گو عورت ہے لیکن وہ دو مردولیوں کے برابر ہے۔[22] سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء کا بیان ہے کہ میں نے بی بی فاطمہ کو دیکھا ہے نہایت پاک دامن اور ضعیف العمر خاتون تھیں۔ بی بی سام ایک سخی اور خداترس خاتون ہونے کے ساتھ ساتھ ایک کامیاب شاعرہ بھی تھیں۔ وہ اکثر حسب حال اشعار کہتی تھیں۔ ان کا ایک شعر یہ ہے:

هم عشق طلب کنی و هم جان خواهی
هر دو طلبی وے میس نشود[23]

بی بی اپنی فراخ دلی اور مذہبی استعداد کی وجہ سے اپنی عمر کی خواتین میں انوکھا مقام رکھتی تھیں، ان کی خوبیوں، خدا سے گہری محبت اور فطرت کی مدد نے انہیں صوفیاء کرام میں ایک خاص احترام اور مقام بخشا تھا۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے "اخبار الاخیار" میں لکھا ہے کہ:" فاطمہ سام اپنے زمانے کی صالحات، قانتات اور عارفات میں تھیں۔"[24] بی بی فاطمہ سام نے 643ھ میں وفات پائی، ان کا مزار دہلی میں ہے۔ ان کی وفات کے بعد بھی شیخ وصوفی حضرات ان کے مزار پر دعا کے لئے تشریف لاتے ہیں۔

بی بی رانی

عہد سلاطین کی نیک خواتین میں کچھ ایسی خواتین کا بھی تذکرہ ملتا ہے۔ جو خود تو صوفی نہ تھیں مگر انہوں نے اپنی بے لوث خدمات اور قربانیوں کے ذریعے ہی خدا کی قربت حاصل کرلی ایسی ہی ایک خاتون بی بی رانی ہیں جو سید محمود کرمانی کی اہلیہ تھیں۔ بی بی رانی کو بابا فرید کے جماعت خانہ کا انچارج لگایا گیا جہاں وہ نہایت محبت و شفقت کے ساتھ قیدیوں کی فلاح و بہبود اور

نگہداشت کرتی تھیں۔ ایک بار مولانابدالدین جذباتی ہو کر بہت زور سے رونے لگے تو بی بی رانی نے بہت شفقت بھرے لہجے میں ان کو چپ کرایا تو بدالدین نے اپنی بے بسی کا اظہار کیا اور کہا کہ یہ آنسو میرے قابو میں نہیں ہیں، ایسے رویے سے ظاہر ہوتا ہے کہ بی بی رانی کس طرح قیدیوں سے پیار و محبت سے پیش آتیں وہ ان سب کے لئے بالکل اپنی بہنوں کی طرح تھیں۔[25] بی بی رانی نے جب اجودھن میں قیام کیا تو انہوں نے شیخ نظام ادین اولیاء کی بہت خدمت کی، ان کے لئے کھانا تیار کرتی ان کے کپڑے دھوتی اور ایک مرتبہ تحفے میں ان کو چادر بھی پیش کی۔

بی بی خدیجہ

صوفی حضرات کی ازواج مطہرات نے بھی مذہبی خدمات میں اہم کردار ادا کیا، ان پر شوہروں کے اثر کو کسی طرح سے کم نہیں کہا جا سکتا۔ اس سلسلے میں شیخ حمید الدین اور ان کی خدمت گزار اہلیہ کی مثال سر فہرست ہے۔ شوہر کی طرح بیوی بھی بہت نیک اور عاجز خاتون تھیں، حالات کمزور ہونے کی وجہ سے بیوی نے اپنے شوہر کی مدد کے لئے کپڑا بھی بنا، شوہر زمین کاشت کرتا اور اس سے حاصل ہونے والی تھوڑی سی آمدنی پر دونوں گزارہ کرتے۔ اور عبادت الہیٰ میں مصروف رہتے کبھی بھی ان کے درمیان کسی قسم کا لڑائی جھگڑا نہیں ہوا۔ غربت اور کفایت شعاری کو ایک عبادت سمجھا گیا۔ گھریلو کام کاج کرنے اور ذریعہ معاش میں خاوند کی مدد کرنے والی ایک مثالی زندگی گزاری، اگرچہ ان دونوں کی محنت بھی گزارہ کرنے کے لئے ناکافی تھی مگر پھر بھی اللہ کا شکر ادا کیا۔ ایک مرتبہ سلطان التمش نے شیخ حمید الدین پر احسان کرنے کی کوشش کی ایک گورنر کے ذریعے کچھ جاگیر اور پانچ سو چاندی کے ٹنکے بھیجے، شیخ حمید الدین نے اپنی اہلیہ سے مشورہ کیا تو وہ نہ مانی لہذا شیخ صاحب نے ایک بہت پر اثر جواب دے کر وہ تحائف لینے سے انکار کر دیا۔ اس غربت کے اذیت ناک حالات میں بھی انہوں نے شاہی پیش کش کو قبول نہ کیا اور ان کی اہلیہ نے شائستہ طور پر کہا کہ میں نے کچھ سوت کاتا ہے جو کہ میرے دوپٹے اور آپکے لباس کے لئے کافی ہو گا۔ اہلیہ نے اس بات پر زور دیا کہ یہ شاہی تحائف ان کی روحانی حصول میں رکاوٹ کا باعث بن سکتے ہیں۔ شیخ اپنی اہلیہ کی اخلاقی جرات اور عزم سے بہت متاثر ہوئے۔ معمولی روزی کماتے ہوئے دنیاوی فتنوں سے باز رہنے کی اور محنت و دیانتداری کی تعریف کی۔[26] اسی دور میں خواجہ بختیار الدین کاکی کا ایک ہمسایہ شرف الدین تھا، دونوں ہمسائے کافی قریبی تعلقات رکھتے تھے اور ان کی بیویاں ایک دوسرے کے گھر بھی جاتی تھیں اکثر شرف الدین کی اہلیہ خواجہ بختیار کاکی کی اہلیہ کی مالی امداد بھی کرتی تھی۔ ایک بار دونوں خواتین میں بہت تلخ کلامی ہو گئی اور تو شرف الدین کی اہلیہ نے طنز کیا کہ اگر ہم آپ کی مالی امداد نہ کریں تو آپ لوگ بھوک سے مر جاؤ۔ اس واقعے کے بعد خواجہ بختیار نے اپنی اہلیہ سے کہا کہ کبھی بھی اپنی ہمسائی سے کوئی مدد نہ لے بلکہ خدا کی رحمت کی طرف رجوع کرے۔ 27 اس کے بعد انہوں نے بسم اللہ پڑھنے کی پابندی اختیار کی جو کہ ان کی روزی روٹی کے لئے کافی تھا، اس واقعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خدا اپنے پرہیز گاروں کی خاموشی سے مدد کرتا ہے۔ اس دور میں بہت ساری خواتین ایسی بھی تھیں جو اپنی رحمدلی اور فراخدلی کی وجہ سے بہت مشہور تھیں انہوں نے مذہبی عقائد کی پابندی کی اور خدا کی قربت حاصل کی۔

خلاصہ بحث

برصغیر میں اسلام کی آمد کے ساتھ یہاں کئی صوفیاء کرام آتے گئے اور اپنی تعلیمات سے اسلام کو پھیلانے کا سبب بنے۔ ان کی تعلیمات نہ صرف مردوں تک محدود تھیں بلکہ خواتین کو بھی ان کی تعلیم و تربیت میسر تھی۔ ان کی تعلیمات کا نتیجہ تھا کہ برصغیر کی بے شمار خواتین نے دین اسلام میں کمال حاصل کیا اور معاشرے میں اپنا اہم کردار ادا کیا۔ صوفیاء کرام نے خواتین کی معاشی، معاشرتی دینی لحاظ سے تربیت کی انہوں نے عورت کو اس کے فرائض سے آگاہ کیا۔ ان کو زندگی کا مقصد سمجھایا اور ساری زندگی اسلامی قوانین کے مطابق گزارنا کا درس دیا۔ خواتین نے اسی تعلیم و تربیت کی وجہ سے اپنے بچوں کی بھی دینی تربیت کی۔ ایسی مشہور مذہبی خواتین میں بی بی ذلیخہ، بی بی اولیاء، بی بی راستی، بی بی خدیجی اور بی بی فاطمہ سر فہرست ہیں۔ یہ وہ خواتین ہیں جنہوں

نے حالات کے اچھے برے ہونے کے باوجود خود کو اور اپنے اہل خانہ کو اسلام کا صحیح معنوں میں پیروکار بنائے رکھا۔ ان میں کچھ ایسی خواتین بھی ہیں جن کی پرہیز گاری اور عبادت گزاری کے باعث ان کو روحانی طاقت عطا کی گئی۔ ان کی بے حد محبت و عقیدت کے باعث کئی بے راہ رو افراد راہ راست پر آنے لگے۔

References

[1]Sayyad ʻAbās Riḍvī, A History of Sufism in Inida (New Dehlī: Munshirām Manohalal Publisher, 1978AD), 1: 30.

[2]Ḥasan ʻĀmar Sajzī, Fūād al-Fawāid (Lakhnu: Nawāl Kashūrī, 1984AD), 22.

[3] Abdul Ḥaq Dehlvī, Akhbār al-Akhyār (India: Mutba Mujtba, 1331AH), 295.

[4] Mīr Khurad Kirmānī, Siyar al-Auliyā (India: Muḥab Hind, 1302AH), 112.

[5] Dehlvī, Akhbār al-Akhyār, 297.

[6] Kirmānī, Siyar al-Auliyā, 76.

[7] Sayad Zahīr Ḥusain, The Islamic Path, Sufism, Society and Politics in India (New Dehlī: Rainbow Publisher), 285.

[8] Riḍvī, A History of Sufism in Inida, 1: 408.

[9] K. A Nizāmī, The Life and Times of Shaikh Farīd Uddīn Ganj Shakar (India: Aligarh Muslim University, 1955AD), 15.

[10] Riḍvī, A History of Sufism in Inida, 1: 138, 139.

[11]Shaikh Jamālī, Sayar al-ʻĀrfīn (India: Riḍvī, 1311AH), 55.

[12] Dehlvī, Akhbār al-Akhyār, 297.

[13]Nizāmī, The Life and Times of Shaikh Farīd Uddīn Ganj Shakar, 77, 78.

[14] Jamālī, Sayar al-ʻĀrfīn, 102.

[15]Reḥmān Afrūzī, Rāh Taṣuwaf Per Chalny Wālī chand Khawātīn (Dehlī: Educational Publishing House, 2021AD), 101.

[16] Afrūzī, Rāh Taṣuwaf Per Chalny Wālī chand Khawātīn, 102.

[17] Dehlvī, Akhbār al-Akhyār, 294.

[18] Faṣīḥ al-Dīn Balkhī, Tazkra Nisān Hind (Patna: Shamsī Press), 9.

[19] Jamālī, Sayar al-ʻĀrfīn, 117.

[20] Dehlvī, Akhbār al-Akhyār, 295.

[21] Balkhī, Tazkra Nisān Hind, 8.

[22] Dehlvī, Akhbār al-Akhyār, 295.

[23] Sajzī, Fūād al-Fawāid, 244.

[24] Dehlvī, Akhbār al-Akhyār, 295, 296.

[25]Nizāmī, The Life and Times of Shaikh Farīd Uddīn Ganj Shakar, 47.

[26] Jamālī, Sayar al-ʻĀrfīn, 147.

[27] Jamālī, Sayar al-ʻĀrfīn, 148.